ذکرِ حبیب علیہ السلام

تقریر

مکرم و محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر

ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لائل پور

برموقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۶۷ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ذکرِ حبیب علیہ السلام

خاکسار کا مضمون "ذکرِ حبیب" ہے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت اور اخلاق سے روشنی حاصل کرنا۔ اس مضمون میں بعض جگہ خاکسار کو والد صاحب مرحوم (حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ) کا ذکر کرنا ناگزیر ہے، کیونکہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی اور رفاقت کا ایک ایسا زمانہ پایا جو بہت کم کسی کو میسر ہوا ہے اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کو آپ نے ابتدا سے بچشم خود دیکھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم کے ماتحت خاکسار نے ان حالات کو قلمبند کیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ خاکسار کے لئے یہ مضمون مقرر کیا گیا ہے۔ خاکسار کا فرض شہادت کا

ادا کرنا ہے۔

ورنہ جہاں تک خاکسار کی ناکسی اور بے بسی کا تعلق ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ ؎

ہر قدر کمینہ آں قدر خادم

طبعی حجاب کے باوجود اس معذرت اور اپنی کمزوری کے اقرار کے ساتھ خاکسار چند باتیں بیان کرنا چاہتا ہے۔

ابتدائی زمانہ

راوی کا بیان ہے کہ میں ۱۸۸۵ء کے قریب براہین احمدیہ پڑھنے کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری عمر اس وقت ۲۱-۲۲ سال کے قریب تھی۔ قادیان اس وقت ایک گمنام بستی تھی حضورؑ کے پاس کوئی آنے جانے والا نہ ہوتا تھا۔ جمعہ کا دن آگیا۔ حضورؑ کے مکان کا ایک حصہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس میں غالباً پندرہ بیس آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اسی مسجد کا واقعہ ہے کہ حضورؑ نے مجھے فرمایا کہ جمعہ کی نماز پڑھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے خطبہ پڑھنا نہیں آتا۔ فرمایا الحمد شریف اور کوئی اور سورت قرآن شریف کی پڑھ کر بیٹھ جاؤ اور پھر کھڑے ہو کر درود شریف پڑھ دو۔ اسی طرح میں نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس جمعہ میں صرف تین آدمی تھے۔ یعنی حضور خود۔ حضورؑ کا خادم حافظ حامد علیؓ اور راوی۔ قادیان کے

جمعہ کی یہ بھی ایک شان تھی جو یاد رکھنے کے قابل ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس کے متعلق حضورؑ نے فرمایا ہے۔ ؎

میں تھا غریب و بے کس و گمنام بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

اور

ابتداء سے گوشۂ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار

اُن دنوں میں باوجود درخواست کرنے کے حضورؑ کسی کی بیعت نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس بارہ میں اذنِ الٰہی نہیں ہے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی درخواست بیعت کو بھی ان دنوں حضورؑ نے منظور نہیں فرمایا تھا۔

اس کے بعد ۱۸۸۹ء میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے حضورؑ نے بمقام لدھیانہ بیعت لی اور چند غیر معروف اور غریب لوگ جن کے دل میں اسلام کا درد تھا حضورؑ کی بیعت میں شامل ہو گئے۔ یہ بھی ایک بیج تھا جو بویا گیا۔

۱۸۹۱ء میں پہلا جلسہ سالانہ مسجد اقصیٰ قادیان میں ہوا۔ جس میں حاضرین کی تعداد چھوٹے بڑے ملا کر ۷۵ تھی۔ یہ بھی ایک بیج تھا جو بویا گیا۔

اُن دنوں میں جلسہ سالانہ کے مہمانوں کا خرچ حضورؑ اپنے پاس سے کرتے تھے۔ کوئی چندہ وغیرہ نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صبح اور شام کے کھانے کا انتظام تو حضورؑ نے اپنے پاس سے کر دیا۔ لیکن دوسری صبح کے متعلق حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ صبح کے لئے کوئی خرچ نہیں ہے۔ حضورؑ نے فرمایا ہم نے ظاہری اسباب کی رعایت سے کچھ انتظام کر دیا تھا۔ اب جس کے مہمان ہیں وہی ان کا انتظام فرمائے گا۔ رات گذر گئی دوسرے دن جب ڈاک آئی تو حضورؑ نے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کو اور چند دوستوں کو بلایا حضورؑ کے ہاتھ میں ۱۰ - ۱۵ منی آرڈر تھے۔ سَو پچاس تیس۔ بیس روپے کے اور ہر ایک پر یہ لکھا تھا کہ مہمانوں کے خرچ کے لئے یہ روپیہ بھیجا جاتا ہے۔ حضورؑ نے ان دوستوں سے فرمایا کہ جس طرح ایک دنیا دار کو اپنے صندوق میں رکھے ہوئے روپوؤں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جب چاہونگا لے لوں گا۔ اس سے بدرجہا زیادہ مقبولانِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بروقت اُن کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ یہ بھی ہمارا ایک جلسہ سالانہ تھا اور یہ بھی ایک بیج تھا جو بویا گیا۔

ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر دوستوں کے پاس سرمائی پارچات کی کمی تھی۔ ایک شخص نبی بخش نمبردار نے حضورؑ کے مکان سے بستر منگوا کر دوستوں کو دینے شروع کئے۔ انہی بستروں میں حضورؑ کا اپنا بستر بھی آ گیا اور کسی دوست کو دے دیا گیا اور حضورؑ کیلئے بستر نہ رہا۔ نبی بخش صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ اس نے کہا کہ میں اب جس دوست کو

بستر دے چکا ہوں اس سے واپس کیسے لوں۔ پھر حضورؑ کے لئے ایک اور بستر منگوایا گیا۔ لیکن حضورؑ نے فرمایا کہ یہ کسی دوست کو دے دو۔ میرا کیا ہے مجھے تو اکثر رات کو نیند بھی نہیں آتی۔ سردی کی وہ رات حضورؑ نے اس طرح گذاری کہ ایک صاحبزادہ پر جو غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تھے حضورؑ نے ایک فنزی چوغہ اڑھایا ہوا تھا اور خود حضورؑ بغلوں میں ہاتھ دیئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور اس طرح وہ رات گذر گئی۔ یہ بھی ہمارا ایک جلسہ سالانہ تھا۔

سن ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں طے ہوا کہ اشاعت اسلام کے لئے ایک مطبع قادیان میں جاری کیا جائے۔ حضورؑ نے فرمایا کوئی صاحب مجبوراً چندہ نہ لکھوائیں بلکہ اپنی خوشی سے حسب استطاعت لکھوائیں۔ چنانچہ ۹۳ دوستوں نے چندہ لکھوایا۔ ساڑھے پانچ پیسے ماہوار۔ چار آنے ماہوار۔ ایک روپیہ ماہوار۔ صرف ایک شخص نے دس روپے ماہوار لکھوایا۔ ایک ماہ کے چندے کی میزان ۷ روپے ۲ آنے ۴ پائی تھی یعنی سالانہ چندہ ۸۴ روپے ۱۲ آنے تھا۔ (تتمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۳ تا ۳۴) تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی عمارت کے لئے ہماری مالی قربانی کی یہ بنیادی اینٹ تھی یہ بھی ایک بیج تھا جو بویا گیا۔

اس بے سرو سامانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ۱۸۸۶ء میں یہ تھا۔

"خدا تجھے بکلّی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ اور ان میں کثرت بخشوں گا۔"

"اور قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

"خدا تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔"[1]

"میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"[2]

اب یہاں پر دنیا کے لئے سوچنے کا مقام ہے:۔

(ا):۔ وہ مسجد جس میں ۳ آدمیوں نے جمعہ کی نماز ادا کی وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ اور اس وقت خدا کے فضل سے دنیا کے مختلف ممالک ایشیا۔ یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ میں ہزاروں احمدی مسجدیں قائم ہیں جن میں پنج وقتہ نماز اور خدا اور رسولؐ کا نام بلند ہوتا ہے اور جو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے مرکز ہیں اور حال ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے کوپن ہیگن کی مسجد کا افتتاح فرمایا ہے۔

---

[1] اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء ؛ [2] تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۹۷ مطبوعہ ۱۹۰۳ء

(ب):۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ۱۸۸۶ء میں تھا کہ خدا تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ اور اس وقت اسلام کی دعوت دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہے۔ جیسا کہ دنیا دیکھتی ہے۔ اور یہ ایک جغرافیائی صداقت ہے کہ جماعت احمدیہ پر سورج غروب نہیں ہوتا۔

(ج):۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ۱۸۸۶ء میں تھا کہ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ وہ جلسہ سالانہ جو ۷۵ نفوس کی حاضری سے ہمارے بزرگوں نے شروع کیا تھا ہم نے اپنی آنکھ سے اسے ۵۰۰ کی تعداد میں پھر ۵۰۰۰ کی تعداد میں اور پھر ۵۰۰۰۰ کی تعداد میں اسے بڑھتا ہوا دیکھا۔ الحمد للہ

(د):۔ وہی خدا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھروسہ کیا تھا گذشتہ ۷۶ سال میں جلسہ سالانہ کے مہمانوں کا رزق رساں رہا ہے اور اس ۷۶ سال کے اندر حضورؑ کا لنگر ایک دن کے لئے بھی بند نہیں ہوا۔ اور اس جلسہ کے اندر اللہ اور رسولؐ کا نام بلند ہوتا رہا ہے ؎

حضرت ایزد تعالیٰ میزبانِ اہلِ درد
سیّدِ بطحا گرامی میہمانِ اہلِ درد

(ہ):۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ۱۸۸۶ء میں تھا کہ میں تیرے خالص محبوں کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا۔ وہ چندہ جو ۱۸۹۲ء میں ۱۲۸ روپے ۱۲ آنے سالانہ سے شروع ہوا تھا اس وقت ایک کروڑ روپیہ سالانہ سے اوپر پہنچ چکا ہے۔

(و):۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ۱۸۸۶ء میں تھا:۔

"تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو"

اس وقت دنیا میں قرآن شریف کی اشاعت، تراجم، تفسیر اور کتب کے ذریعہ سے دنیا کے گوشے گوشے تک ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے اور گزشتہ سال پچیس لاکھ روپے کے ابتدائی سرمائے سے فضلِ عمر فاؤنڈیشن جاری ہوئی ہے جس کی خاص غرض دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن شریف کی اشاعت اور دینِ اسلام کی تبلیغ ہے۔

(ز):۔ پس یہ پیشگوئی کہ "میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا وہ بڑھے گا اور پھولے گا" ایک اور ایک دو کی طرح حرف بحرف پوری ہوئی ہے۔

(ح):۔ اور یہ پیشگوئی کہ "کوئی نہیں جو اُسے روک سکے" اس طرح پوری ہوئی کہ ۱۹۰۸ء میں ۲۰۰ علماء کہلانے والوں نے جماعت احمدیہ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ تکفیر کا یہ طوفان مختلف ظلموں، زیادتیوں، سنگباریوں سنگساریوں اور قتل و غارت سے گزرتا ہوا ۱۹۵۳ء کی ہمہ گیر طغیانی تک پہنچا لیکن جھوٹے الزامات کے باوجود کہ یہ حج کے قائل نہیں۔ یہ جہاد کے قائل نہیں۔ یہ ختمِ نبوت کے قائل نہیں۔ جیسا کہ پیشگوئی تھی کوئی نہیں جو اسے روک سکا ہو۔ اور اسی بنا پر اس بیابانِ ربوہ میں رہنے والے کی پکار کو دنیا نے سنا کہ میں دیکھتا ہوں خدا میری طرف دوڑا آ رہا ہے۔ خدا مجھ میں ہے۔ اور جو ہم سے ٹکرائے گا اس کا وہی حال ہو گا جو پہاڑ کے ساتھ ٹکرانے والے کا ہوتا ہے[1]

[1] الفضل فرودی ۱۶ مارچ ۵۳ء

یہ ٹھوس تاریخی واقعات اور حسابی صداقتیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ خاکسار کے بیان میں کمی ہو تو ہو لیکن بیشی اس میں ذرہ بھر نہیں ہے اور کوئی باہوش آدمی ان تاریخی واقعات کا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہوتے رہے

وہ سچے وعدوں والا منکر کہاں کدھر ہیں

وہ تخم ریزی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارآور ہوئی۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ۔

کا نظارہ دنیا نے دوبارہ دیکھا۔

جہاں یہ تخم ریزی کا مضمون درج ہے وہاں ہی یہ بھی درج ہے:۔

"اے تمام لوگو! سن رکھو کہ یہ اُس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔ اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر

رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔"

"میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔"

("تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۹۶-۹۷ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

سوال یہ ہے کہ ادیانِ عالم پر اسلام کا یہ غلبہ کس طرح ہوگا جواب یہ ہے کہ حساب لگا کر دیکھ لو جس طرح ماضی کے پہلو سے حال پیدا ہوا اسی طرح حال استقبال کو اپنے پہلو میں لئے ہوئے ہے نیست سے ہست کرنا اور ہست کو معراجِ کمال تک پہنچانا ہمارے خدا کی سنت ہے۔

(۱)۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ
الْوَارِثِينَ۔

(۲)۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔

مذکورہ بالا واقعات شاہد ہیں کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آجائے گا۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ پوری ہو رہی ہے اور باقی پوری ہو کر رہے گی۔ انشاء اللہ القدیر۔ ؎

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت اور اخلاق وہی تھے جو تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ کا منشا ہے۔ اور حضور کے اخلاق آپ کے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا عکس اور جلوہ تھا۔ حضور فرماتے ہیں ؎

يَا رَبِّ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً
فِي مُهْجَتِي وَمَدَارِكِي وَجَنَانِي

اور ؎

بسکہ من در عشق او ہستم نہاں
من ہمانم من ہمانم من ہماں

اور ؎

جو کچھ کہ ہم نے پایا اس یار سے ہی پایا
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

حضور ہر شخص کو چھوٹا ہو یا بڑا عزت اور تکریم سے پکارتے اور میاں یا صاحب کے لفظ سے یاد کرتے عام جماعت کو دوست یا احباب یا بھائی فرماتے خطوں میں اخی یا حبی فی اللہ لکھتے۔ ہر شخص کے جذبات کا خیال رکھتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور کے ہر صحابی پر یہ اثر تھا کہ حضور کو سب سے زیادہ محبت اسی سے ہے۔

جذبات کا خیال رکھنا اس حد تک تھا کہ ایک یہودی حضورؑ سے ملاقات کے لئے آیا تو حضورؑ نے دوستوں سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کرایا کہ آپ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا آپ یہودی ہیں۔ کیونکہ اس لفظ یہودی میں حقارت کا مفہوم شامل ہو گیا ہے۔

مہمانوں کی آمد پر حضورؑ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے۔ فرماتے ہیں ؎

احباب سارے آئے تو نے یہ دن دکھائے
تیرے کرم نے پیارے یہ مہرباں بلائے

حضورؑ کی خواہش ہوتی تھی کہ مہمان زیادہ سے زیادہ عرصہ کے لئے حضورؑ کے پاس رہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کرنے کے لئے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ فرمایا اس غرض کے لئے جانا ضروری نہیں ہے۔ انہیں لکھ دو کہ ایک دن بچے کے بال اُتروا دیں اور ہم اُس دن دو بکرے ذبح کر دیں گے۔ والد صاحب مرحوم نے رمضان کی وجہ سے واپسی کی اجازت چاہی۔ فرمایا آپ رمضان یہیں گزاریں۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ پھر حضورؑ ایک شرط میری بھی ہے یعنی حضورؑ کے سامنے سے بچا ہوا کھانا دونوں وقت میرے لئے آجایا کرے۔ ایسا ہی ہوتا رہا۔ اور پھر احباب بھی اس تبرک میں شامل ہونے لگ گئے۔

اس قسم کی بے تکلفی کے متعلق خاکسار نے وضاحت چاہی۔ فرمایا تم نہیں سمجھے ہم حضورؑ کے خادم تھے۔ غلام تھے۔ لیکن حضورؑ کے پرانے دوست

بھی تو ہم ہی تھے۔ دنیا کی اصلاح کا کام سینکڑوں تفکرات جنہیں حضورؑ کو پیش رہتیں۔ ہمارا یہ بھی تو فرض ہونا چاہیئے تھا کہ ہم حضورؑ کو خوشی پہنچائیں اس لئے میں اور مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ بعض دفعہ حضورؑ سے ایسی بے تکلفی سے بات کر لیتے تھے جس طرح دوست دوست سے کرتا ہے۔ اور حضورؑ ہماری باتوں پر ہنستے رہتے اور خوش ہوتے۔

والد صاحب مرحوم کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ امام کے پاس کوئی خوشی کی بات پہنچائی جائے۔ حتیٰ کہ اپنے گھر میں کوئی خوشی کی تقریب ہو تو اس کی بھی اطلاع دیتے۔ دعویٰ مسیحیت کے قبول کرنے کے وقت عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس کا زمانہ پائے میرا سلام اُسے پہنچائے اس لئے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام حضورؑ کو پہنچاتا ہوں۔

صحابہ کا یہ اسوہ کہ امام کو اپنے عمل سے خوشی پہنچائی جائے قابلِ تقلید ہے۔ بے تکلفی سے بات کر سکنا ہر ایک کا کام نہیں ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست

مہمان کی واپسی سے حضورؑ دردمند ہوتے۔ فرماتے ہیں ؎

پردوں کو پہنچے غم جب یاد آئے وقتِ رخصت
دنیا بھی اک سرا ہے بچھڑے گا جو ملا ہے

گرسو برس رہا ہے ۔ آخر کو پھر جدا ہے
شکوے کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے

اور اسی جذبے کے ماتحت بہت دفعہ حضورؓ مہمان کو رخصت کرنے کے پیدل دو میل نہر تک تشریف لے جاتے ۔

حضورؓ میں حسن ظنّی بدرجہ کمال تھی ۔ بدگمانی حضورؓ کے گمان سے باہر تھی ۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں بہت سے دوست حضورؓ کے ساتھ تھے ان کی خاطر مدارات کے لئے حضورؓ نے مجھے روپے دیئے لیکن گن کر نہیں بلکہ مٹھیاں بھر کر دیئے ۔ میں نے ضرورت کے مطابق روپے خرچ کئے اور کچھ روپے میرے پاس بچ رہے جو میں واپس کرنے کے لئے حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضورؓ کچھ روپے ہیں ۔ اور حضورؓ نے سمجھا کہ مزید روپے درکار ہیں اور پھر اسی طرح مٹھیاں بھر کر دینے لگے ۔ تب میں نے عرض کیا کہ میں تو بچی ہوئی رقم واپس کرنے آیا ہوں ۔

حضورؓ کا ضبط و تحمل بے مثال تھا ۔ ایک مولوی قادیان آیا ۔ وفات و حیاتِ مسیحؑ پر گفتگو تھی ۔ اثنائے گفتگو میں ایک مقام پر پہنچ کر حضورؓ کے دلائل سُن کر وہ مولوی ساکت ہو گیا اور حضورؓ نے بڑی محبت سے اس سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب! کیا آپ سمجھ گئے ہیں؟ اس سوال کا جواب اُس بدزبان مُنہ پھٹ مولوی نے یہ دیا کہ ہاں میں سمجھ گیا ہوں کہ (نعوذ باللہ) آپ

دجال ہیں ۔ کیونکہ دجال کی صفت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ گفتگو میں لوگوں کا منہ بند کر دے گا ۔ حضورؓ نے اس پر صبر فرمایا ۔ اس لئے حضورؓ کے ساتھی بھی خاموش رہے ۔ کچھ دیر بعد حضورؓ اندر تشریف لے گئے تو اُسی مولوی نے ایک رقعہ بھیجا کہ میں ضرورت مند ہوں ۔ حضورؓ نے پچیس روپے اسے بھیج دیئے ۔ ضبط و تحمل کے ساتھ جود و سخا کا یہ وہ مقام ہے جہاں اخلاقی بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں ؎

گالیاں سُن کر دعا دو ۔ پا کے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

حضورؓ کے اپنے اسوہ کا بیان ہے جس پر عمل حضورؓ جماعت سے چاہتے ہیں ۔

لیکن خدا اور رسولؐ کے نام کے لئے حضورؓ انتہائی غیرت رکھتے تھے ۔ لیکھرام نے دونوں ہاتھ باندھ کر دو دفعہ حضورؓ کو سلام کیا جو حضورؓ نے قبول نہیں کیا ۔ فرمایا "وہ میرے آقا کو گالیاں دیتا ہے اور مجھے سلام کرتا ہے ۔"

ایک طبیب جو دوران سر کے علاج میں ماہر تھا حضورؓ کے علاج کے لئے بلایا گیا اور اُس نے حال سُن کر کہا کہ میں فوراً اچھا کر دوں گا ۔ اور کوئی استثناء اس نے نہ کی ۔ حضورؓ یہ سُن کر اندر تشریف لے گئے اور فرمایا اس کا خرچ اور فیس دے کر اسے واپس کر دیں ۔ ہم ایسے شخص سے علاج نہیں کروا سکتے جو خدائی کا دعویدار ہو ۔

حضورؑ کے ایک مخلص مرید کی بیوی حضورؑ کے مکان میں ٹھہری ہوئی تھی۔ اتفاقاً اس کا بچہ بیمار ہوا اور فوت ہو گیا۔ بچے کے فوت ہونے پر ماں کے منہ سے ایسے کلمات نکل گئے جن میں اللہ تعالیٰ سے گستاخی تھی۔ حضورؑ نے فرمایا اس عورت کو فوراً میرے گھر سے نکال دو یہ میرے خدا کی بے ادبی کرتی ہے۔ آخر اس عورت نے سچے دل سے توبہ کی۔ حضورؑ نے فرمایا اچھا کفن دفن کا انتظام کرو۔ آج کل بعض شاعر کہلوانے والے متشاعر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ شعر کہہ دیتے ہیں۔ اور بعض اخبارات اور رسائل والے ایسے شعروں کو بے سوچے سمجھے شائع کر دیتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ۔

کسی کی بیماری سے حضورؑ بے چین ہو جاتے تھے بار بار حال بدلتے علاج میں حد درجہ کوشش فرماتے لیکن اگر مریض کی وفات ہو جاتی تو حضورؑ اس طرح رضا بالقضاء اختیار فرماتے کہ گویا کچھ نہیں ہوا۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی بیماری میں حضورؑ نے بڑی کوشش اور تردّد سے علاج جاری رکھا۔ لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو حضورؑ احباب میں یہ تقریر فرما رہے تھے کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ فرمایا جب صبر کرنے والے کو خدا تعالیٰ کی معیت حاصل ہے تو پھر اور کیا چاہیئے۔

راوی کا بیان ہے کہ چہیتے بچے کا فوت ہو جانا اور حضورؑ کا اس طرح صبر پر تقریر فرمانا ایک ایسا منظر تھا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔

راستی سے حضورؑ نے کبھی سرمو انحراف نہیں کیا۔ ۱۸۷۷ء میں رلیا رام عیسائی والا ڈاک خانے کا فوجداری مقدمہ ہوا اور ۱۸۹۷ء میں ایک جھوٹا سنگین مقدمہ اقدامِ قتل کا عیسائیوں نے حضورؑ کے خلاف قائم کیا۔ دونوں مقدموں میں حضورؑ نے وکیل کے اس مشورے کو حقارت سے رد کر دیا کہ قانونی طور پر بات میں ذرا سا پیچ ڈال دیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ دونوں مقدموں میں حضورؑ نے راست راست بلا کم و کاست بیان دیا اور راستی غالب آئی۔ اسی طرح ابتدائی ایام میں اپنے والد صاحب کے زمین کے مقدموں میں حضورؑ نے عین سچائی کو اختیار کیا قطع نظر اس سے کہ مقدمہ حق میں ہو یا خلاف۔

مباحثہ ہو یا مناظرہ حضورؑ کی غرض حق کی فتح ہوتی تھی نہ کہ اپنی ہار جیت۔ ۱۸۶۸ء میں حضورؑ کو بٹالہ اس غرض سے لے جایا گیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے عقائد کی تنقیص و تردید کے بارے میں مباحثہ کیا جائے حضورؑ تشریف لے گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے عقائد بیان کئے جن کو سن کر حضورؑ نے برسرِ مجمع بلا خوف لومۃ لائم فرمایا کہ آپ کا اعتقاد معقول اور ناقابلِ اعتراض ہے۔ یہ بے نفسی اور للّٰہیت اپنی مثال نہیں رکھتی۔

مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی سے دہلی میں حضورؑ کا مباحثہ تھا۔ مولوی صاحب نے چاہا کہ حضورؑ کے مضمون کا جواب علیحدگی میں گھر جا کر لکھیں۔

غالباً دوسروں سے مدد لینا چاہتے تھے۔ حضورؑ نے بخوشی اس کی اجازت دی۔ لوگوں نے کہا یہی کہ مباحثہ کھلا کھلا اور آپ کے سامنے ہوا کرتا ہے۔ مولوی صاحب کو جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ حضورؑ نے فرمایا نہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔

اگر اعتراض کرنے والا اپنے مدعا کو پورے طور پر بیان نہ کر سکتا تو حضورؑ اپنے پاس سے الفاظ اسے دیتے۔ اور جب اعتراض پختہ ہو جاتا تو اس کا جواب دیتے۔ ایسا کہ سماں بندھ جاتا۔

کینے یا انتقام کے غبار سے حضورؑ کا دل ہمیشہ پاک رہا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وہ شخص ہیں جنہوں نے ملک بھر میں پھر کر دو سو علما کہلانے والوں سے حضورؑ کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرایا۔ پھر یہ وہی شخص ہیں جنہوں نے یہ بلند بانگ دعوے کیا کہ میں نے ہی اس شخص کو اونچا کیا تھا۔ اور میں ہی اسے گراؤں گا۔ انہیں موقع کی تلاش تھی اس لئے مارٹن کلارک والے مقدمہ میں انہوں نے عیسائیوں کی طرف سے حضورؑ کے خلاف شہادت دی۔ حضورؑ کے وکیل نے اُن پر ایک ایسا سوال کرنا چاہا جس سے گواہ کی عزت خاک میں مل جاتی تھی۔ حضورؑ نے بڑی سختی سے ایسا سوال کرنے سے وکیل کو روک دیا اور وکیل ششدر رہ گیا۔

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اول المکفرین شخص حضورؑ کی عزت کا دشمن، عیسائیوں کی طرف سے گواہ۔ اقدام قتل کا مقدمہ۔ انتہا در انتہا معاملہ۔

تحت الثریٰ تک پہنچی ہوئی دشمنی اور کینہ اور تکبر ایک طرف اور ثریا پر پہنچی ہوئی شرافت، علو ہمت اور توکل علی اللہ دوسری طرف ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا
چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

۱۹۰۰ء میں آپؑ کے چچا زاد بھائی مرزا امام دین صاحب نے مسجد مبارک کے راستے میں ایک دیوار کھنچوا دی جس سے حاضرین کو حضورؑ کے ساتھیوں کی آمد و رفت میں ہر وقت کی روک پیدا ہو گئی اور مرزا امام دین صاحب نے سنی ان سنی ایک کر دی۔ مجبوراً عدالت میں دعویٰ کیا گیا۔ عدالت کے حکم سے دیوار گرائی گئی خرچہ اور ہرجانہ مدعا علیہ پر پڑ سکتا تھا جو مدعا علیہ نے معاف کرانا چاہا جو حضورؑ نے بخوشی معاف فرما دیا۔

۱۸۹۱ء کی بات ہے کہ حضورؑ دہلی تشریف لے گئے۔ غرض یہ تھی کہ مولوی نذیر حسین صاحب سے جنہوں نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا بالمقابل قسم لی جائے۔

حضورؑ نے دہلی سے کپورتھلہ والے دوستوں کو لکھا کہ یہاں پر لوگ گالیاں دیتے ہیں اور اینٹ پتھر پھینکتے ہیں میں اپنے خاص دوستوں کو اس ثواب میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس خط کے پڑھنے کے بعد ہم اپنے گھروں کو نہیں گئے بلکہ اپنے اپنے دفتر سے سیدھے کرتارپور سٹیشن پر پہنچے اور راوی کا بیان ہے کہ

میں ایسا شتابزدگی میں روانہ ہوا تھا کہ سٹیشن پر پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ میں تو کرایہ بھی ساتھ نہیں لایا۔ میں اسی خیال میں تھا کہ اتنے میں گاڑی آئی۔ چوہدری رستم علی صاحب مرحوم انسپکٹر ریلوے پولیس بڑے مخلص احمدی تھے اور وہ دہلی جا رہے تھے۔ گاڑی سٹیشن پر پہنچتے ہی انہوں نے آواز دی کہ ایک آدمی ٹکٹ نہ لے۔ مجھے ایک آدمی کو ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔"

خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

غرض یہ دوست دہلی پہنچ گئے اور وہاں جا کر دیکھا کہ لوگ گالیاں دیتے تھے۔ سوانگ نکالتے تھے۔ حضورؑ کے مکان کے گرد گھیرا ڈالتے اور طرح طرح کی بیہودہ حرکتیں کرتے تھے۔ حضورؑ جامع مسجد دہلی میں تشریف لے گئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب کو مجبور ہو کر مسجد میں آنا پڑا۔ لیکن وہ بالمقابل قسم کھانے سے انکاری ہو گئے حضورؑ کے ساتھی اُس وقت صرف بارہ آدمی تھے۔

یہاں پر ایک بات سمجھنے کے قابل ہے۔ ہماری جماعت میں مختلف احباب کو دینی کام کرنے ہوتے ہیں جن کی قبل از وقت اطلاع اور تیاری ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات یکدم فوری طور پر کسی کے سپرد کوئی کام کیا جاتا ہے۔ ایسا موقع جیسے اور جب پیش آئے تو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے اور ایک منٹ کی جھجک کے بغیر اُس فرض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہو جانا صحابہ کا اسوہ ہے۔

جماعت میں بفضلہ تعالیٰ خدا کے سینکڑوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ فوری طور پر کسی کو کوئی فرض سپرد کیا گیا جس نے بلا پس و پیش ادا کیا اور سفر یا حضر کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

یہی وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے سنہ ۱۹۲۳ء میں شدھی کی تحریک کے وقت مولوی ظفر علی خاں صاحب نے ساری عمر کی مخالفت کے باوجود اعلانیہ اخبار زمیندار میں جماعت احمدیہ کو مدد کے لئے پکارا۔

یہی وہ روح ہے جس کی وجہ سے سنہ ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال نے کشمیر کی مہم کو سر کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو کشمیر کمیٹی کی صدارت پیش کی اور دنیا جانتی ہے کہ شدھی اور کشمیر کی مہموں میں حضورؓ نے فوری طور پر جماعت کو لگا دیا اور دوست حضورؓ کے حکم کے ماتحت اس طرح دوڑے جیسے آگ بجھانے کے لئے لوگ دوڑتے ہیں۔ اور اسی اصول کے ماتحت یہ دونوں مہمیں فتح ہو گئیں اور سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کا نتیجہ بفضل خدا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ہوا کرتا ہے۔

وہ دوست جو حضورؑ کے خط پر دہلی روانہ ہو گئے تھے ان کے متعلق حضورؑ نے ایک موقعہ پر تحریر فرمایا:-

"آپ لوگ دنیا میں میرے ساتھ رہے ہیں اور آخرت میں بھی میرے ساتھ ہوں گے۔"

یہ دوست تمام عمر حضورؑ کے ساتھ رہے اور وفات پانے کے بعد حضورؑ کے قدموں میں مدفون ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔

شہادت کا ادا کرنا اس مضمون میں خاکسار کا فرض ہے۔ اسی موقعہ پر خاکسار ایک خط کی عبارت کا کچھ حصہ پڑھنا چاہتا ہے۔ یہ خط ۱۸۹۱ء میں لکھا گیا اور حسن اتفاق سے واسطہ در واسطہ یہ خط سو سال پرانا محفوظ رہ گیا ہے اور اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ حضورؑ کی محبت میں جس انہماک میں آپ کے صحابہ رنگین ہوتے تھے اور جو تزکیہ اور تصفیہ قلب ہوتا تھا اس کی عکاسی اس خط میں حسب ذیل الفاظ میں:

"السلام علیکم

جب تک حضورؑ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا کبھی خبر نہ تھی کہ دنیا کہاں بسی ہے اور دنیا کے فکر اور غم کیسے ہوتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر رہنے سے میری ایسی حالت تھی کہ اگر خوش قسمتی سے میری موت اُن ایام میں آجاتی تو میں خدا کی طرف ایسا پاک و صاف ہو کر جاتا جیسا کہ حضورؑ کا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور جناب باری کا منشا ہے۔ اے خدا تو مجھ کو جب مارے تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں مارئیو"

اسی خط کے آخری الفاظ حسب ذیل ہیں:

"میں دعاؤں کا سخت محتاج ہوں۔ خدا حضورؑ کی ہدایتوں اور برکتوں کو زمین کے کناروں تک پہنچا دے۔ ایسا تو ضرور ہوگا۔ مگر اے خدا تو مجھ کو بھی دکھلا۔ آمین یا رب العالمین"

اللہ تعالیٰ کی ذرہ نوازی دیکھئے کہ ۱۸۹۱ء میں یہ خط لکھا گیا جب کہ جماعت ابھی بن رہی تھی اور اس کے پچاس سال بعد یعنی ۱۹۴۱ء میں نویسندہ خط کی وفات ہوئی جب کہ حضورؑ کی ہدایتیں اور برکتیں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی تھیں جنہیں دیکھنے کے بعد نویسندہ خط حضورؑ کے قدموں میں مدفون ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ
اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔

حضورؑ کے صحابہ کا یہ تجربہ تھا کہ حضورؑ کی زبان پر جو بات جاری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ ایک واقعہ بیسیوں واقعات میں سے پیش ہے۔

میرے دیکھنے کی بات ہے مسجد احمدیہ کپورتھلہ پر غیروں نے جبراً قبضہ کر لیا اور ہمیں عدالت میں مقدمہ کرنا پڑا۔ سات سال برابر یہ مقدمہ جاری رہا۔ ہمارے حق میں مقدمہ فیصلہ ہونے کے خلاف بیسیوں مشکلات تھیں اور فریق مخالف کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ ان حالات میں منشی فیاض علی صاحب مرحوم نے بمقام لدھیانہ بڑے درد سے ایک محفل میں حضورؑ سے عرض کیا کہ ہم سے مسجد چھین لی گئی ہے۔ حضورؑ دعا فرمائیں۔

حضورؑ نے اسی وقت بڑی تحدی کے ساتھ فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں اور میرا سلسلہ سچا ہے تو مسجد تمہیں مل کر رہے گی۔ پھر ایسا ہوا کہ تمام روکیں دور ہو کر مسجد کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا اور خاکسار ان واقعات کا چشم دید گواہ ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حضور فہمائش اور نصیحت کرنے میں بڑی حیا سے کام لیتے تھے۔

مسجد مبارک قادیان کا واقعہ ہے کہ حضور مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایک غریب احمدی میاں نظام الدین نامی حضور کے ساتھ بیٹھے تھے۔ بہت غریب آدمی کپڑے پھٹے ہوئے اور مسکینی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ اتنے میں چند لوگ جو خود کو بڑا سمجھتے تھے آتے گئے اور حضور کے ساتھ بیٹھتے چلے گئے غریب نظام الدین صاحب پیچھے ہٹتے گئے حتیٰ کہ وہ جوتیوں کی جگہ تک جا پہنچے۔

اتنے میں کھانا آیا اور سب کے سامنے رکھا گیا۔ حضور نے ایک پیالہ شوربے کا ہاتھ میں لیا اور اس پر دو روٹیاں رکھیں اور فرمایا "آئیے میاں نظام الدین صاحب ہم اور آپ اندر بیٹھ کر روٹی کھاتے ہیں۔" چنانچہ حضور نے اور نظام الدین صاحب نے اکٹھے ایک پیالے میں ساتھ والی کوٹھڑی کے اندر کھانا کھایا۔

ایک ناپسندیدہ امر حضور کے سامنے سرزد ہوا تھا۔ حضور معلّم اخلاق تھے لیکن جس طرح حیا کے ساتھ اشارے اشارے میں سمجھایا ہے۔ ہزاروں بلاغتیں اس پر قربان ہیں۔ ؎

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

خاکسار نے بعض پیروں اور گدی نشینوں کے حالات پڑھے ہیں جو اپنے مریدوں کو بات بات پر جھڑکتے اور دھمکاتے اور خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن حضور کی چشم پوشی اور حیا مندرجہ بالا واقعہ سے ظاہر ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ چند معزز آدمی قادیان حضور سے ملاقات کے لئے آئے اور مہمان خانے کے سامنے انہوں نے یکہ کھڑا کیا اور خادم مہمان خانہ سے کہا کہ ان کا بستر اور سامان اتارے اور چارپائیوں کا انتظام کرے مہمان خانے کا خادم کوئی اکھڑ شخص تھا۔ اس نے کہا کہ بستر آپ خود اتاریں اور چارپائیوں کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ مہمانوں نے اس بات کو بُرا منایا اور وہیں سے یکے پر واپس ہو لئے۔

اس اثناء میں یہ واقعہ حضور کے علم میں آ گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سُن کر حضور بے قرار ہو گئے اور ایسی شتاب زدگی میں روانہ ہوئے کہ جوتا پہننا بھی مشکل ہو گیا۔ تیز قدم چل کر نہر کے قریب حضور نے ان مہمانوں کو جا لیا۔ حضور کو دیکھ کر وہ یکے سے اُتر آئے اور حضور انہیں واپس مہمان خانے میں لے آئے اور فرمایا کہ جو شخص یہاں آتا ہے تو سمجھتا ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر اس کی کوفت دُور ہو گئی اور اُسے آرام ملے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی آزردگی جائز ہے۔ ہمارے دوستوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

حضور نے مہمان خانے پہنچ کر ان کے بستر کو اتارنے کے لئے خود ہاتھ بڑھایا لیکن احباب نے وہ سامان اُتار لیا۔ حضور نے اپنے سامنے ان کے

کھانے کا انتظام کیا۔ نواڑی پلنگ ان کیلئے منگوائے۔ اور جتنے دن وہ رہے حضورؑ روزانہ اُن کے پاس آکر بیٹھتے اور باتیں کرتے۔ جب وہ واپس جانے لگے تو حضورؑ نہر تک انہیں چھوڑنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور رستے میں انہیں فرماتے جاتے تھے کہ آپ تو مسافر ہیں آپ یکّے پر سوار ہو جائیں۔ لیکن وہ بوجہ ادب حضورؑ کے ساتھ پیدل چل کر نہر کے قریب پہنچ کر رخصت ہوئے۔

سادگی اور بے تکلّفی حضورؑ کا شعار تھا۔ ابتدائی ایام کا ذکر ہے کہ منشی روڑا صاحب مرحوم نے حضورؑ سے عرض کیا کہ حضورؑ ہم تو حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کبھی حضورؑ بھی ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ فرمایا بہت اچھا اس پر کچھ عرصہ گذر گیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ یکّہ خانہ والی مسجد کا ملّا منشی روڑا صاحب کے پاس کچہری میں آیا کہ مرزا صاحب مسجد میں موجود ہیں آپ کو بلاتے ہیں۔ منشی صاحب نے اسے مذاق سمجھا جھنجھلا کر پنجابی میں کہا۔ او تیری مسیت ایہو جہی ہو گئی اے کہ ساڈے حضرت صاحب نے اوتھے آونا سی۔ والد صاحب نے کہا چل کر دیکھنا تو چاہیئے۔ چنانچہ اس مسجد میں پہنچ کر دیکھا کہ حضورؑ صف پر بیٹھے ہیں۔ حافظ حامد علی صاحب حضورؑ کے پاؤں دبا رہے ہیں اور ایک چمچہ اور پیالہ پاس پڑا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضورؑ نے ڈبل روٹی اور دودھ منگوا کر کھایا ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ حضورؑ اس طرح آنا تھا تو پیشگی اطلاع فرماتے ہم حضورؑ کے شایانِ شان استقبال کا انتظام کرتے۔ فرمایا۔ تکلّف کی کیا ضرورت تھی۔

ہم نے وعدہ کیا تھا ہم آ گئے۔ پھر اس مسجد سے حضورؑ کے خادم حضورؑ کو ہمراہ لے گئے۔

ایک مرتبہ پھر حضورؑ کپورتھلہ تشریف لائے اور محمد خاں صاحب مرحوم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ محمد خاں صاحب حضورؑ کے سچے عاشق تھے۔ جیسا کہ حضورؑ نے ان کے متعلق ازالہ اوہام میں رقم فرمایا ہے۔

غیبوبت میں بھی حضورؑ دوستوں کو یاد رکھتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ میں نے گھڑوں کی طرف نظر اٹھائی۔ حضورؑ نے فرمایا آپ کو پیاس لگی ہے۔ یہ فرما کر حضورؑ بالا خانے سے نیچے تشریف لے گئے اور پانی کا گلاس لائے۔ پھر فرمایا ذرا ٹھہریئے مجھے یاد آیا۔ یہ کہہ کر پھر نیچے تشریف لے گئے اور دو بوتلیں شربت کی لائے۔ فرمایا یہ ہمیں تحفے میں آئی تھیں اور ہم نے نیت کی تھی کہ پہلے کسی دوست کو پلائیں گے۔ اب آپ کے آنے پر مجھے وہ بات یاد آئی۔ یہ فرما کر شربت کا گلاس بنا کر دیا۔ راوی نے عرض کیا کہ حضورؑ اس میں سے کچھ پی لیں۔ حضورؑ نے ایک گھونٹ پی لیا۔ پھر فرمایا۔ اچھا ایک بوتل آپ لے لیں اور ایک بوتل باقی دوستوں کو پلائیں گے۔ ان دو بوتلوں میں سے حضورؑ نے بس وہی ایک گھونٹ شربت کا پیا۔

مذکورہ واقعات حضورؐ کے اخلاقِ عالیہ کا نمونہ ہیں۔ مہمان نوازی۔ دوست پروری۔ علوِ ہمّت۔ عفو و درگزر۔ توکّل علی اللہ۔ سادگی۔ شرافت جفاکشی اور محنت۔ دشمن تک سے نیک سلوک۔ بے نفسی اور للّٰہیت۔ رضا بالقضا۔ صبر و تحمّل۔ خدا اور رسول کے نام کے لئے غیرت اور جوش۔ ہر خلق اپنی جگہ پر عین برمحل جیسے انگشتری میں نگینہ جڑا ہوا ہو اور درجۂ کمال پر پہنچا ہوا جس پر اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

اور یہی وہ اخلاق تھے۔ یہی وہ قوتِ قدسیہ تھی جن کی وجہ سے حضورؐ کے صحابہؓ حضورؐ کے سچّے عاشق اور جان نثار فدائی تھے اور حضورؐ کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اپنے لئے سعادت دارین یقینی کرتے تھے۔ یہی مفہوم ہے اس شعر کا ؎

صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی

اور یہی ہے ظہور اس پیشگوئی کا کہ ،،

اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ. وَهُوَ
الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

چنانچہ حضورؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ پہلا مسیح آیا مگر اس کے متبعین نے اس کی پرستش شروع کر دی میں تمہیں مسیح پرست نہیں بلکہ مسیح بنانے کے لئے آیا ہوں۔

اشاعت : اکتوبر ۱۹۶۸ء
دسمبر . . . ۱۹۷۵ء
تعداد . . . تین ہزار

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ